''شرح الحدیث بالحدیث'' آئمہ حدیث کی آراء کا تحقیقی جائزہ

''*The Explanation of Hadith through Hadith" in the light of Muhadithen (Critical overview)*

Hafiz Zaheer Ahmed
PhD Scholar, Univeresity Of Lahore, Lahore
alisnadi@gmail.com
Dr Naseer Ahmed Akhter
HoD Department Of Islamic Studies, Univeresity Of Lahore, Lahore

ABSTRACT

In order to understand and explain the traditions of the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him), it is very important to know the related sciences. Otherwise, there is every chance that the interpreter will stumble around in the dark and never arrive at the destination. There are several ways to interpret a hadith such as: the explanation of a tradition through a tradition, the explanation of a tradition through the words of a Companion of the Messenger, the explanation of a tradition through the words of a Follower, and the explanation of a tradition through the Arabic language. Through this research article, we will try to understand the need and importance of "the explanation of a tradition through a tradition" and its principles and rules in the light of Holy Qur'an, the practices of the Messenger (peace and blessings of Allah be upon him) and the sayings of Imams. Both Scriptural verses and Prophetic traditions were revealed, and there are proofs from the Qur'an and Sunnah to establish the point. Scholars have given arguments in this regard which are too numerous to be covered.

حدیث نبوی کو سمجھنے اور اس کی شرح کرتے ہوئے مرادِ رسول ﷺ بہ طریقِ اَحسن واضح کرنے کے لیے اس سے متعلقہ علوم وفنون اور ان کے لوازمات کو جاننا نہایت ضروری ہے، بہ صورتِ دیگر شرح کرتے ہوئے خطاء کے واقع ہو جانے کا قوی امکان ہوتا ہے۔ حدیث مبارک کی شرح کرنے کے کئی طرق ہیں، مثلاً: 1۔ شرح الحدیث بالحدیث، 2۔ شرح الحدیث باَقوال الصحابہ، 3۔ شرح الحدیث باَقوال التابعین، 4۔ شرح الحدیث باللغہ العربیہ۔ اس تحقیقی مضمون کے ذریعے ہم قرآن و سنت اور آثار و اقوال ائمہ کی روشنی میں طرق شرح حدیث میں سے ایک طریق ''شرح الحدیث بالحدیث ''کی ضرورت واہمیت جاننے اور اس کے اصول و قواعد کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی مکرم حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی صورت میں اس امت پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ (1)

''بیشک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُواْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (2)

''وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (ﷺ) کو بھیجا وہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں، بیشک وہ لوگ اِن (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

مزید فرمایا:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (3)

''اور (اے نبیِ مکرّم!) ہم نے آپ کی طرف ذکرِ عظیم (قرآن) نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے وہ (پیغام اور احکام) خوب واضح کر دیں جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تاکہ وہ غور وفکر کریں''۔

سو حضور نبی اکرم ﷺ نے دعوت و تعلیم اور بیان میں امرِ الٰہی کو کامل و اکمل انداز سے پورا فرمایا۔ آپ ﷺ اس دنیا میں اپنے خوب صورت بیان، فصاحت وبلاغت، زبان کی روانی، اسلوب کی مٹھاس، لطائف اشاراتی، روح کو اجلا کرنے والے، سینے کو کھولنے والے، دلوں میں رقت و نرمی پیدا کرنے والے انداز، حکیمانہ کلام، بشیر و نذیر، آفاقی ذہانت اور

(1)آل عمران، 3/ 164.

(2)الجمعة، 2/62.

(3)النحل، 44/16.

لوگوں سے بے انتہا الفت و محبت میں سب سے بہترین اور عظیم معلم تھے[1]۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث مبارک میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا''[2].

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے دشواری اور سختی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے آسانی کے ساتھ تعلیم دینے والا بنا کر بھیجا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی علم کے ذریعے تائید فرمائی اور آپ ﷺ کے لیے علم کو ہی پسند فرمایا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم مقصد اور ذمہ داری کے بارے میں مطلع فرمایا جو آپ ﷺ کو سونپ کر مبعوث کیا گیا:

﴿وَلَوْلاَ فَضْلُ اللّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّت طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلاُّ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن شَيْءٍ وَأَنزَلَ اللّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾[3].

''اور (اے حبیب!) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان (دغابازوں) میں سے ایک گروہ یہ ارادہ کر چکا تھا کہ آپ کو بہکا دیں، جب کہ وہ محض اپنے آپ کو ہی گمراہ کر رہے ہیں اور آپ کا تو کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتے، اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے''۔

لہٰذا جس علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مدد و نصرت فرمائی، جو علم آپ ﷺ پر نازل فرمایا اور جس کی تبلیغ اور بیان کا حکم فرمایا وہ علم کتاب اللہ اور حدیث مبارکہ کا علم ہے، پس حدیث بھی اسی طرح منزل وحی ہے جیسے کہ قرآن ہے، اور اس حوالے سے کتاب و سنت کے دلائل موجود ہیں، علماء نے اس حوالے سے کثیر دلائل دیے ہیں جن کا احاطہ کرنا ممکن نہیں[4]۔

حضرت معاویہ بن حکم سلمی نے آپ ﷺ کا یہ وصف بیان کرتے ہوئے نہایت جامع الفاظ ادا کیے:

---

(1)عبد الفتاح أبي غُدّة، الرسول المعلم وأساليبه في التعليم، دار البشائر الإسلامية، بيروت، لبنان. ص 19-20

(2)القشيري، أبو الحسين بن الحجاج ، الصحيح، دار إحياء التراث العربي، بيروت. ج 2،ص 1104، الرقم1478

(3)النساء، 113/4.

(4) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: التأصيل لأصول التخريج وقواعد الجرح والتعديل لبكر بن عبد الله أبي زيد. دار العاصمة، الرياض- السعودية (ص/5-6 حاشية).

فَبِأَبِي هُوَ وَأُمِّي، مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ، فَوَاللهِ، مَا كَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي''[1].

''حضور ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، میں نے آپ ﷺ سے بڑھ کر آپ جیسا کوئی معلم آپ ﷺ سے پہلے دیکھا نہ ہی آپ ﷺ کے بعد دیکھا ہے، جو آپ ﷺ سے بڑھ کر بہتر انداز میں سمجھانے والا ہو، اللہ کی قسم! آپ ﷺ نے مجھے جھڑکا، نہ مارا اور نہ ہی برا بھلا کہا''۔

حضور نبی اکرم ﷺ دنیا کی ایک فصیح و بلیغ قوم کی طرف مبعوث کیے گئے، آپ ﷺ جو بھی فرماتے زیادہ تر وہ لوگ اسے بطریق احسن سمجھ جاتے تھے اور جو ان کی بھی سمجھ میں نہ آتا تو وہ آپ ﷺ سے پوچھ لیتے اور آپ ﷺ ان کے لیے اس کی وضاحت فرما دیتے تھے[2]۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی خداداد علم و فصاحت اور سلیقہ کی بدولت آپ ﷺ کی طرف القاء کی جانے والی نصوص کو خود ہی سمجھ جاتے، لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ امور ان پر مخفی رہتے جن کی معرفت اور بیان کے لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے محتاج ہوتے تو وہ آپ ﷺ سے ان کے بارے میں دریافت کرتے، آپ ﷺ ان کے لیے ایسے امور کی وضاحت و تشریح فرما دیتے یا ان کے سوال سے قبل ہی آپ ﷺ اس کی وضاحت فرما دیا کرتے تھے۔

شرح الحدیث بالحدیث کی اہمیت

ایک حدیث سے دوسری حدیث کی شرح و تفسیر کرنے کی سب سے زیادہ اہمیت اس بات سے اجاگر ہوتی ہے کہ غریب حدیث کی تفسیر میں سب سے زیادہ اعتماد دوسری احادیث اور روایات پر کیا جاتا ہے[3]۔ یعنی حدیث غریب کی تفسیر کے لیے دوسری احادیث اور روایات کے ذریعے ہی تفسیر کرنا ممکن ہوتا ہے۔ متقدمین و متاخرین حدیث کے شارحین وغیرہ اسی بیان کے قائل تھے۔ وہ ہمیشہ اسی کی طرف اشارہ کرتے آئے اور اسی پر توجہ دی۔ ابتداء میں حدیث نبوی ﷺ کی شرح کرنے والے حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے حدیثِ رسول کی صورت میں جو تفسیر بیان ہوئی اسی کے ذریعے شرح کیا کرتے تھے، یعنی آپ ﷺ کی ایک حدیث کسی دوسری حدیث کی تفسیر اور وضاحت بیان کرتی ہے یا ایک مختصر روایت کی وضاحت دوسری مفصل روایت کے ذریعے ہوتی ہے۔

اس حوالے سے امام احمد بن حنبل (ت: 241ھ) فرماتے ہیں:

---

(1)مسلم، الصحيح، جزءٌ من حديث طويل،ج1 ، ص 381، الرقم573

(2)ابن الأثير، أبو السعادات المبارك بن محمد، النهاية في غريب الحديث والأثر، المكتبة العلمية – بيروت. ص10

(3) ابن الصلاح، معرفة أنواع علوم الحديث، دار الفكر، سوريا، دار الفكر المعاصر، بيروت. ص274

اَلْحَدِيثُ إِذَا لَمْ تَجْمَعْ طُرُقَهُ لَمْ تَفْهَمْهُ، وَالْحَدِيثُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا.[1].

"اگر آپ حدیث کے تمام طرق جمع نہیں کریں گے تو کبھی اس کا (صحیح) مفہوم نہیں سمجھ سکتے۔ پس حدیث کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر بیان کرتا ہے"۔

امام احمد بن حنبل مزید فرماتے ہیں:

من لم يجمع علم الحديث وكثرة طرقه واختلافه لا يحلُّ له الحكمُ على الحديث ولا الفُتيا به[2].

"جس نے علم حدیث، اس کے تمام طرق اور اس کے اختلاف کو جمع نہیں کیا، اس کے لیے حدیث پر حکم لگانا مناسب نہیں اور نہ ہی اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کے ذریعے فتویٰ دے"۔

امام یحییٰ بن معین (ت: 233ھ) نے کہا:

"لَوْ لَمْ نَكْتُبِ الْحَدِيثَ مِنْ ثَلَاثِينَ وَجْهًا مَا عَقَلْنَاهُ"[3].

"اگر ہم حدیث کو تیس طرق سے نہ لکھیں تو ہم اسے نہیں سمجھ سکتے"۔

امام علی بن مدینی (ت: 234ھ) نے کہا:

اَلْبَابُ إِذَا لَمْ تَجْمَعْ طُرُقَهُ لَمْ يَتَبَيَّنْ خَطَؤُهُ.[4].

"ایک باب میں بیان ہونے والی حدیث کے (تمام) طرق کو جمع نہ کر لیں تو ہم اس کی وضاحت کرنے سے قاصر رہتے ہیں"۔

اس کے علاوہ بہت سے ائمہ سے منقول ہے کہ حدیث کی اسناد کو سمجھنا ان کے درمیان اتفاق و افتراق کے مقامات اور راویوں کے اختلاف کو بیان کرنا ہے۔ اسی طرح احادیث کے متون کو سمجھنا، اس کے غریب الفاظ کے معانی،

(1) خطيب بغدادي، أحمد بن علي بن ثابت، الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع، مكتبة المعارف، الرياض: السعودية. ج2،ص212، الرقم1640

(2) آل ابن تيمية، المسودة في أصول الفقه، مكتبة المدني، القاهرة، مصر. ص458

(3) الجامع لأخلاق الراوي، ج2،ص212، الرقم:1639

(4) الجامع لأخلاق الراوي، ج2،ص212، الرقم:1641

اس کے مطلق و مقید، خاص و عام، مجمل اور مفصل کو کئی بار صرف طرق اور روایات کے جمع کرنے سے سمجھنا ممکن ہوتا ہے۔

خطیب بغدادی (ت: 463ھ) اس حوالے سے فرماتے ہیں:

قَلَّ مَا يَتَمَهَّرُ فِي عِلْمِ الْحَدِيثِ، وَيَقِفُ عَلَى غَوَامِضِهِ، وَيَسْتَثِيرُ الْخَفِيَّ مِنْ فَوَائِدِهِ إِلَّا مَنْ جَمَعَ مُتَفَرِّقَهُ، وَأَلَّفَ مُتَشَتِّتَهُ، وَضَمَّ بَعْضَهُ إِلَى بَعْضٍ، وَاشْتَغَلَ بِتَصْنِيفِ أَبْوَابِهِ، وَتَرْتِيبِ أَصْنَافِهِ، فَإِنَّ ذَلِكَ الْفِعْلَ مِمَّا يُقَوِّي النَّفْسَ، وَيُثَبِّتُ الْحِفْظَ، وَيُزَكِّي الْقَلْبَ، وَيَشْحَذُ الطَّبْعَ، وَيَبْسُطُ اللِّسَانَ، وَيُجِيدُ الْبَيَانَ، وَيَكْشِفُ الْمُشْتَبِهَ، وَيُوَضِّحُ الْمُلْتَبِسَ. [1]

''بہت کم لوگ علم حدیث میں اس قدر ماہر ہوتے ہیں، وہ اس کے غموض پر ٹھہر جاتے ہیں اور اس کے مخفی فوائد کی طرف اشارہ صرف اس کے متفرقات کو جمع کرنے سے ممکن ہوتا ہے، اس کے متفرق حصوں کو جمع کیا جاتا ہے اور بعض کو بعض کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ پھر اس کے ابواب کو لکھا جاتا ہے اور اس کی اصناف کو ترتیب دیا جاتا ہے۔ ایک قوی نفس، مضبوط حافظہ اور مزکی دل کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ طبیعت کی تیزی، زبان پر دسترس، عمدہ بیان، مشتبہ کو منکشف کرنے والا اور مشکوک کو واضح کرنے والا شخص ہی اس عمل کو سرانجام دے سکتا ہے''۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (ت: 852ھ) نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَنَّ الْمُتَعَيِّنَ عَلَى مَنْ يَتَكَلَّمُ عَلَى الْأَحَادِيثِ أَنْ يَجْمَعَ طُرُقَهَا، ثُمَّ يَجْمَعَ أَلْفَاظَ الْمُتُونِ إِذَا صَحَّتِ الطُّرُقُ، وَيَشْرَحَهَا عَلَى أَنَّهُ حَدِيثٌ وَاحِدٌ، فَإِنَّ الْحَدِيثَ أَوْلَى مَا فُسِّرَ بِالْحَدِيثِ. [2]

''وہ مخصوص شخص جو احادیث مبارکہ پر بات کرنا چاہتا ہو وہ سب سے پہلے اس کے تمام طرق کو جمع کرے اگر طرق درست ہیں تو پھر اس کے متون کے الفاظ کو جمع کرے اور پھر ان کی اس طرح شرح کرے کہ جیسے وہ ایک ہی حدیث ہے۔ بے شک حدیث سے حدیث کی تفسیر کرنا زیادہ اولی ہے''۔

آپ کا یہ کلام حدیث پر کام کرنے والوں کے لیے نہایت اہم اور اصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی طرح آپ مزید فرماتے ہیں:

(1) الجامع لأخلاق الراوي، ج2، ص280، الرقم:1852

(2) ابن حجر عسقلاني، أحمد بن علي بن حجر، فتح الباري، دار المعرفة، بيروت. ج6، ص475

اَلْأَحَادِيثَ إِذَا ثَبَتَتْ وَجَبَ ضَمُّ بَعْضِهَا إِلَى بَعْضٍ فَإِنَّهَا فِي حُكْمِ الْحَدِيثِ الْوَاحِدِ فَيُحْمَلُ مُطْلَقُهَا عَلَى مُقَيَّدِهَا لِيَحْصُلَ الْعَمَلُ بِجَمِيعِ مَا فِي مَضْمُونِهَا[1].

" جب احادیث ثابت ہو جائیں تو ضروری ہے کہ ان کے بعض کو بعض کے ساتھ ملایا جائے، کیوں کہ وہ سب ایک حدیث کے حکم میں داخل ہوتی ہیں، اس کے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا تاکہ اس کے اندر جو بھی امور آئے ہیں ان سب پر عمل کرنا ممکن ہو سکے"۔

یہ ابواب علم میں سب سے عظیم باب ہے، اس کے ذریعے بندہ خطاء اور انحراف میں پڑنے سے محفوظ رہتا ہے۔ گمراہ فرقوں کے سب سے بڑے ماخذ یہ ہیں کہ وہ نصوص کے کچھ حصے سے استدلال کرتے ہیں اور اس کے دوسرے حصے کو ترک کر دیتے ہیں، بعض کو بعض پر محمول کر دیتے ہیں، ضروری ہے کہ تمام نصوص کو دیکھا جائے اور پھر ان کے ساتھ ایک ہی حکم کے تحت تعامل کیا جائے۔

اس حوالے سے امام شاطبیؒ (ت: 790ھ) کا کلام نہایت واضح اور صریح ہے، آپ نے کہا:

وَمَدَارُ الْغَلَطِ فِي هَذَا الْفَصْلِ إِنَّمَا هُوَ عَلَى حَرْفٍ وَاحِدٍ وَهُوَ الْجَهْلُ بِمَقَاصِدِ الشَّرْعِ وَعَدَمِ ضَمِّ أَطْرَافِهِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ فَإِنَّ مَأْخَذَ الْأَدِلَّةِ عِنْدَ الْأَئِمَّةِ الرَّاسِخِينَ إِنَّمَا هُوَ عَلَى أَنْ تُؤْخَذَ الشَّرِيعَةُ كَالصُّورَةِ الْوَاحِدَةِ بِحَسْبِ مَا ثَبَتَ مِنْ كُلِّيَّاتِهَا وَجُزْئِيَّاتِهَا الْمُرَتَّبَةِ عَلَيْهَا وَعَامِّهَا الْمُرَتَّبِ عَلَى خَاصِّهَا وَمُطْلَقِهَا الْمَحْمُولِ عَلَى مُقَيَّدِهَا وَمُجْمَلِهَا الْمُفَسَّرِ بِبَيِّنِهَا. . . . إِلَى مَا سِوَى ذَلِكَ مِنْ مَنَاحِيهَا.....فَشَأْنُ الرَّاسِخِينَ تَصَوُّرُ الشَّرِيعَةِ صُورَةً وَاحِدَةً يَخْدِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا كَأَعْضَاءِ الْإِنْسَانِ إِذَا صُوِّرَتْ صُورَةً مُتَّحِدَةً. وَشَأْنُ مُتَّبِعِي الْمُتَشَابِهَاتِ أَخْذُ دَلِيلٍ مَا. أَيِّ دَلِيلٍ كَانَ . عَفْوًا وَأَخْذًا أَوَّلِيًّا وَإِنْ كَانَ ثَمَّ مَا يُعَارِضُهُ مِنْ كُلِّيٍّ أَوْ جُزْئِيٍّ فَكَأَنَّ الْعُضْوَ الْوَاحِدَ لَا يُعْطَى فِي مَفْهُومِ أَحْكَامِ الشَّرِيعَةِ حُكْمًا حَقِيقِيًّا فَمُتَّبِعُهُ مُتَّبِعُ مُتَشَابِهٍ وَلَا يَتْبَعُهُ إِلَّا مَنْ فِي قَلْبِهِ زَيْغٌ كَمَا شَهِدَ اللَّهُ بِهِ ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثًا﴾[2][3]

---

(1)فتح الباري، ج11، ص270

(2)النساء، 87/4.

(3)شاطبي، أبو إسحاق اللخمي، الاعتصام، دار ابن عفان، السعودية. ج1، ص311-312

''اس باب میں غلطی کا مدار صرف ایک وجہ سے ہے اور وہ وجہ مقاصدِ شریعت سے لاعلم ہونا ہے، اور حدیث کے بعض حصوں کو (تطبیقاً) بعض حصوں میں ضم نہ کرنا ہے، بے شک ائمہ راسخین کے ہاں دلائل کا مآخذ شریعت کو ایک صورت میں لینا ہے، اس اعتبار سے کہ اس کے کلیات و جزیات اس پر مرتب ہوں، اس کے عام اس کے خاص پر مرتب ہوں، اس کے مطلق و مقید پر، مجمل و مفسر پر اس کے دیگر پہلوؤں کے بیان کے ساتھ محمول کیے جائیں۔۔۔ علماءِ راسخین شریعت کا تصور ایک جامع صورت میں دیتے ہیں، جس کا بعض بعض سے مل کر مضبوطی فراہم کرتا ہے جیسے کہ انسان کے تمام اعضاء کے متحد ہونے سے ہی انسان کو مضبوط بناتے ہیں۔ متشابہات کی پیروی کرنے والوں کی حالت یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو دلیل کے طور پر لیتے ہیں چاہے وہ جیسی بھی ہو، چاہے اس کے جزیات اور کلیات ایک دوسرے سے متعارض ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے کہ (مسئلہ کا) صرف ایک پہلو احکام شریعت کے مفہوم کا حقیقی حکم نہیں دیتا، پس اس طرح کا عمل کرنے والا در حقیقت متشابہ امر کا پیروکار ہے اور اس کی پیروی صرف وہی کرتا ہے جس کے دل میں کجی ہو۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی گواہی دی ہے: ''اور اللہ سے بات میں زیادہ سچا کون ہے''۔

شرح الحدیث بالحدیث کی اقسام

حدیث سے حدیث کی شرح کی دو اقسام ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں۔

پہلی قسم: حدیث کی اُسی حدیث سے شرح

حدیث کی اسی حدیث سے شرح اس کے تمام متفرق روایات اور طرق کو جمع کر کے کی جاتی ہے، اس کے مبہم الفاظ دوسری روایت میں واضح مل جاتے ہیں، یہ باب بہت طویل اور پھیلا ہوا ہے، اس لیے مقصود کو واضح کرنے کی غرض سے اس کی یہاں مثالیں پیش کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے شیخان نے ابن صیاد والی حدیث کی تخریج کی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا:

''إِنِّي قَدْ خَبَأْتُ لَكَ خَبِيأً، فَقَالَ ابْنُ صَيَّادٍ: هُوَ الدُّخُّ، فَقَالَ: اخْسَأْ، فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ''[1].

(1) بخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل، الصحيح، دار ابن كثير، اليمامة، بيروت. ج1،ص454، الرقم:1289

"میں نے تیرے لیے اپنے دل میں ایک بات چھپائی ہے، ابن صیاد نے کہا: وہ الدُّخّ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دور ہو جا تو اپنی او قات سے نہیں بڑھ سکتا"۔

علامہ ابن الصلاح (ت: 643ھ) بیان کرتے ہیں: "یہ لفظ (الدُّخُّ) ایسا لفظ ہے جس کا معنی پوشیدہ ہے اور بعض لوگوں نے اس کی وہ تفسیر اور وضاحت کی ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ امام حاکم کی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں (الدُّخُّ) کا مطلب (الزَّخُّ) یعنی جماع ہے۔ یہ ایک ایسا فحش اختلاط ہے جو کہ ایک عالم اور مومن کو غصہ ناراض کرتا ہے۔ اس حدیث کا معنٰی یہ تھا کہ (اس شیطان کے غیب جاننے کے دعویٰ پر) حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ میں اپنے دل میں تیرے لیے ایک بات سوچتا ہوں، بتاؤ وہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا: (الدُّخُّ) دال کے ضمہ کے ساتھ۔ یعنی الدخان، دھواں۔ لغت میں (الدُّخُّ) دھویں کو کہتے ہیں، جیسے کے بعض دوسری روایات میں حضور نبی اکرم ﷺ نے خود اس بات کو بیان فرمایا ہے"۔[1]

اس کی تفسیر ابو داؤد اور ترمذی کی روایت میں آئی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ابن صیاد سے فرمایا:

"إِنِّي قَدْ خَبَّأْتُ لَكَ خَبِيئَةً. وَخَبَّأَ لَهُ ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾[2] قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ: هُوَ الدُّخُّ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ"[3].

"میں نے تیرے لیے اپنے دل میں ایک بات چھپائی ہے، اور آپ ﷺ اپنے دل میں يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ "سو آپ اُس دن کا انتظار کریں جب آسمان واضح دھواں ظاہر کر دے گا۔" والی آیت چھپالی، تو ابن صیاد نے کہا: وہ چھپی ہوئی چیز الدُّخُّ ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ہٹ جا، تو اپنی حد سے آگے نہیں بڑھ سکے گا"۔

پس یہ روایت اپنے ما قبل کی تفسیر کرتی ہے۔

امام خطابی (ت: 388ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ کے پاس (ابن صیاد) اور ایک اور کائنہ دونوں کی یہ خبر پہنچی کہ وہ غیب جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں، آپ ﷺ ان کے جھوٹ کا بھانڈہ پھوڑنے کے لیے اور ان کا معاملہ واضح کرنے کے لیے جب اس سے گفتگو فرمائی، جب آپ ﷺ نے اس کے منہ سے الدَّخّ کا لفظ سنا جو اس نے زبر سے پڑھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "دور ہو جا! تو اپنی او قات سے نہیں بڑھ سکتا۔" یعنی مراد یہ تھی کہ یہ تو وہ شے ہے جو شیطان اسے اطلاع دیتا ہے یا اس کی زبان سے جاری کرواتا ہے، جو کچھ یہ بول رہا ہے، یہ کوئی آسمانی وحی نہیں ہے، وہ کوئی

(1)ابن الصلاح، علوم الحديث، ص377

(2)الدخان، 10/44.

(3)وترمذي، أبو عسيى محمد بن عيسى، السنن، دار إحياء التراث العربي، بيروت. ج4، ص516، الرقم:2246

نبی نہیں ہے کہ اس کی طرف آسمان سے علم غیب وحی کیا جائے، نہ ہی وہ اولیاء اللہ میں سے کوئی درجہ رکھتا ہے کہ جن کے دلوں پر الہام کیا جاتا ہے اور وہ اپنے دلوں کے نور سے اصل بات تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ تو یقیناً تکے لگاتے ہیں جن میں سے بعض باتیں سچی نکل آتی ہیں اور بعض باتیں جھوٹی"(1)۔

یہ مثال جس کا ذکر گزرا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ حدیث رسول ﷺ کے معانی سے اس وقت تک مستغنی نہیں ہو جا سکتا اور اس کے معنی و مراد تک کامل رسائی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اس کی تمام روایات اور طرق میں غور و خوض نہ کیا جائے۔ اس اصل چیز سے غفلت بڑے بڑے فاضل اور جلیل القدر علماء کو خطاء اور غلطی میں مبتلا کر سکتی ہے، جیسے کہ امام حاکم کے ساتھ ہوا۔

اسی طرح بخاری و مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، جس میں حضرت اُم حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کا قصہ ہے کہ وہ سمندر میں غزوہ کے لیے روانہ ہوئیں۔ بیان کرتے ہیں:

فَرَكِبَتْ الْبَحْرَ فِي زَمَانِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنْ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ.(2)

"وہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سمندر میں (بیڑے) پر سوار ہوئیں اور جب سمندر سے باہر نکل رہی تھی تو اپنی سواری سے گری اور وفات پا گئیں"۔

اس روایت میں یہ ابہام پایا جاتا ہے کہ شاید حضرت اُم حرام بغیر محرم کے ہی غزوہ کے لیے نکلی اور سمندر میں سوار ہوئیں۔ جب کہ ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

فَخَرَجَتْ مَعَ زَوْجِهَا عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ غَازِيًا أَوَّلَ مَا رَكِبَ الْمُسْلِمُوْنَ الْبَحْرَ مَعَ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ فَلَمَّا انْصَرَفُوْا مِنْ غَزْوِهِمْ قَافِلِيْنَ فَنَزَلُوْا الشَّأْمَ فَقُرِّبَتْ إِلَيْهَا دَابَّةٌ لِتَرْكَبَهَا فَصَرَعَتْهَا فَمَاتَتْ.(3)

"پھر وہ اپنے خاوند حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلیں جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمانوں نے پہلی دفعہ سمندری سفر کیا جب وہ اپنے جہاد سے فارغ ہو کر قافلوں کی صورت میں واپس لوٹے تو ملک

---

(1) خطابي، أبو سليمان الخطابي، معالم السنن، المطبعة العلمية – حلب. ج4، ص349

(2) بخاري، الصحيح، ج3، ص1027، الرقم:2636، ومسلم، الصحيح، 1518/3، الرقم/1912

(3) بخاري، الصحيح، ج3، ص1030، الرقم:2646،

شام میں اترے۔ حضرت اُمّ حرام کی سواری کے لیے ایک جانور لایا گیا اور ان کے سوار ہونے کے لیے قریب کیا گیا تو اس نے انہیں گرادیا جس سے ان کی وفات ہو گئی"۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ کسی بھی حدیث کی شرح اور اس سے مستنبط احکام و مسائل کے بیان کے لیے ضروری ہے کہ شارح اس حدیث کے تمام طرق واسانید اور شواہد و توابع سے اچھی طرح واقف ہو تب ہی وہ فقہ الحدیث اور اس کے معانی کے بیان کا حق ادا کر سکتا ہے۔

دوسری قسم: ایک حدیث کی دیگر احادیث کے ذریعے شرح کرنا

پہلی قسم میں اور اس دوسری قسم میں نہایت واضح فرق ہے، اُس پہلی قسم میں اسی صحابی کی دیگر روایات اور طرق حدیث کی معرفت حاصل کی جاتی ہے جبکہ اِس دوسری قسم میں ایک حدیث کے معنی و مراد تک پہنچنے کے لیے اسی باب کی دیگر دوسری احادیث کو دیکھا جاتا ہے اور جو معنیٰ مخفی ہوتا ہے، اس کی وضاحت دوسری احادیث میں دیکھی جاتی ہے۔

جیسے کہ اس کی مثالوں میں سے حضرت جابر بن عبد اللہ ﷺ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.[1]

"جس نے اذان سننے کے بعد (یہ دعا) پڑھی: 'اے اللہ! اس دعوتِ کامل اور (اِس کے نتیجے میں) کھڑی ہونے والی نماز کے رب! (حضرت) محمد (مصطفی ﷺ) کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور اُنہیں مقام محمود پر فائز فرما جس کا تونے اُن سے وعدہ فرمایا ہے'۔ اُس کے لیے روزِ قیامت میری شفاعت لازم ہو گئی"۔

پس لفظ وسیلہ کا معنی امام بخاری کی اس روایت میں مبہم تھا۔ جس کی وضاحت امام مسلم کے ہاں حضرت عبد اللہ عمرو بن عاص ﷺ کی طریق سے نقل کی گئی حدیث میں آئی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ.[2]

---

(1) بخاري، الصحيح، ج1، ص222، الرقم:589،

(2) مسلم، الصحيح، ج 1، ص 288، الرقم:384، من طريق كعب بن علقمة، عن عبد الرحمن بن جبير به.

"جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو اُسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو۔ پس جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ طلب کرو بے شک وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ پس جس نے اس وسیلہ کو میرے لیے طلب کیا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی"۔

علامہ ابوالحسن مبارک پوری (ت: 1414ھ) اس حدیث کی شرح میں لفظ (وسیلۃ) کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(الوسيلة) هي ما يُتقرَّب به إلى الكبير يقال: توسَّلت أي: تقرَّبت وتطلق على المنزلة العليَّة قاله الحافظ[1]. والمتعيّن المصير إلى ما في هذا الحديث من تفسيرها (فإنها) أي: الوسيلة (منزلة في الجنة) من منازلها وهي أعلاها على الإطلاق.[2].

" وسیلہ وہ چیز ہے جس کے ذریعے بڑے کے قریب ہوا جاتا ہے، کہا جاتا ہے توسلتُ میں نے وسیلہ اختیار کیا یعنی تقربتُ میں قریب ہوا۔ اس کا اطلاق نہایت اعلیٰ رتبے پر ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں حافظ (ابن حجر) نے کہا ہے۔ لفظ (وسیلۃ) کی وضاحت اور تفسیر کا اس حدیث میں تعین کیا گیا ہے جو کہ (جنت کے رتبوں میں سے ایک رتبہ ہے) جو کہ علی الاطلاق ان تمام رتبوں سے اعلیٰ و افضل ہے"۔

ان کے اس قول: (المتعين المصير...) کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ سے ہی اس لفظ کی وضاحت مل گئی ہے یا پھر آپ ﷺ نے جس معنیٰ کا تعین کر دیا ہے کسی دوسرے کو اس سے تجاوز کرنے یا اس معنی سے کسی اور معنی کی طرف پھیرنے کی اجازت نہیں ہے۔

یہ قسم ایسی ہے کہ ایسا لفظ ہو جو سوائے اس حدیث کے کہیں نہ سنا گیا ہو اور کلام عرب میں بھی اس کی مثال موجود نہ ہو۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک:

"....فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُودَتَيْنِ وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى أَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ"[1].

---

(1) غالباً حافظ سے ان کی مراد حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں، فتح الباری، (ج2، ص95) میں انہوں لفظ 'الوسیلۃ' کے معنی پر اختلاف کا ذکر بھی کیا ہے۔

(2) مباركفوري، محمد عبد الرحمن بن عبد الرحيم، مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، إدارة البحوث العلمية والدعوة والإفتاء، الجامعة السلفية، بنارس، الهند. ج2، ص364

"…. حضرت عیسیٰ علیہ السلام مشرق کی طرف زرد رنگ کا جوڑا پہنے ہوئے، سفید مینار کے پاس دمشق کے شہر میں اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوئے اتریں گے"۔

اس حدیث مبارکہ کے الفاظ (مَهْرُودَتَيْنِ) اس سے پہلے کلام عرب میں نہیں سنے گئے، ان کی تفسیر اور وضاحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ملتی ہے، جس میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ - يَعْنِي عِيسَى - وَإِنَّهُ نَازِلٌ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَاعْرِفُوهُ: رَجُلٌ مَرْبُوعٌ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ بَيْنَ مُمَصَّرَتَيْنِ...''(2)

"میرے اور اُن یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں، یقیناً وہ اُتریں گے، جب تم انہیں دیکھنا تو پہچان لینا، وہ ایک درمیانی قد و قامت کے شخص ہوں گے، ان کا رنگ سرخ و سفید ہوگا، ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوں گے…"۔

علامہ ابن اثیر (ت: 606ھ) لفظ (مَهْرُودَتَيْنِ) کے مادہ (هَرَدَ) کے بارے میں لکھتے ہیں:

''أَنَّهُ يَنزل بَيْنَ مَهْرُودَتَيْنِ أَيْ: فِي شُقَّتَيْنِ أَوْ حُلَّتَيْن. وَقِيلَ: الثَّوبُ الْمَهْرُودُ: الَّذِي يُصْبَغ بالوَرْسِ ثُمَّ بالزَّعْفَران فيَجيء لَوْنُه مِثْلَ لَوْنِ زَهْرة الحَوذَانَة''(3).

''قَالَ ابْنُ الْأَنْبَارِيِّ: القَولُ عندَنا فِي الْحَدِيثِ «بَيْن مَهْرُودَتَيْنِ» يُرْوَى بِالدَّالِ وَالذَّالِ: أَيْ بَيْن مُمَصَّرَتَيْن عَلَى مَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ وَلَمْ نَسْمَعه إِلَّا فِيهِ. وَكَذَلِكَ أشياءُ كثيرةٌ لَمْ تُسْمَع إِلَّا فِي الْحَدِيثِ''(4).

''«مَهْرُودَتَيْنِ» یعنی دو حلوں اور چادروں میں۔ کہا جاتا ہے: الثَّوبُ الْمَهْرُودُ: ایسا کپڑا جو ورس اور زعفران میں رنگا ہوا ہوتا ہے، اس کا رنگ حوذانہ کے پھول جیسا ہوتا ہے۔ (حوذانہ: ایک خوش مزہ پودا جس کا پھول سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔)

(1)مسلم، الصحيح، ج4، ص2250-2253، الرقم:2937.

(2) أبو داود، السنن، ج4، ص117، الرقم:4324،

(3) ابن الأثير، النهاية في غريب الحديث والأثر، ج5، ص258

(4)النهاية، ج5، ص258. وكلام ابن الأنباري الذي نقله ابن الأثير، ذكره السخاوي في فتح المغيث بشرح ألفية الحديث للعراقي، مكتبة السنة – مصر. ج4، ص36

''علامہ ابن انباری کہتے ہیں: حدیث میں جو لفظ «مَهْرُ و دَتَيْنِ» آیا ہے ہمارے ہاں دال کے ساتھ بھی ہے اور ذال کے ساتھ بھی روایت کیا جاتا ہے۔ یعنی (مُمَصَّرَتَيْن) کے بین بین جیسے کہ حدیث میں آیا ہے، یہ لفظ ہم نے سوائے اس حدیث کے اور کہیں لغت عرب میں نہیں سنا۔ اسی طرح اور بہت سی اشیاء ہیں جن کا ذکر ہم نے سوائے حدیث کے کہیں اور نہیں سنا''۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اس مبحث پر مشتمل کلام و گفتگو نہایت تفصیل اور تفریع کی متقاضی ہے۔ لیکن طوالت کے خوف سے حسب ضرورت ان ہی چند مثالوں پر اکتفا کیا جارہا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کتب اصول اور مختلف الحدیث وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

خلاصہ بحث

مذکورہ بالا بحث سے چند مسائل اخذ ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: کیا شرح حدیث میں حدیث ضعیف سے استفادہ کیا جا سکتا ہے؟[(1)]

اس حوالے سے یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ یہ مسئلہ اس حوالے سے مختلف ہو گا کہ اگر حدیث ضعیف سے استدلال کیا جائے، حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے حوالے سے موضوع اس وقت ہمارے زیر بحث نہیں ہے، یہ مسئلہ محدثین کے ہاں اختلافی اور قدیم ہے، اور معروف بھی ہے[(2)]۔

مگر یہاں زیر بحث موضوع حدیث ضعیف سے معانی کو ترجیح دینے کے حوالے سے استفادہ کرنا ہے، مثلاً حدیث ضعیف کو کلیتاً رد نہیں کر دیا جائے گا بلکہ جب حدیث کی نص میں ایسا لفظ ہو جس میں تعارض آجائے جو دو معنوں کا احتمال رکھتا ہو دونوں معنوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا ممکن نہ ہو رہا ہو اور اس معنی کی وضاحت کسی حدیث ضعیف سے ہو رہی ہو تو ایسی صورت میں حدیث ضعیف کو نقل کیا جائے گا تاکہ ان دونوں معنوں میں سے کسی ایک معنی کو ترجیح دی جا سکے، ایسی صورت میں ترجیح کے لیے حدیث سے ہی معنی اخذ کیا جائے گا چاہے وہ ضعیف حدیث ہی کیوں نہ ہو''[(3)]۔

اس کی مثال قول باری تعالیٰ ہے:

---

(1) عبد الكريم الخضير، الحديث الضعيف وحكم الاحتجاج به، مكتبة دار المنهاج للنشر والتوزيع، الرياض: السعودية. ص300

(2) الحديث الضعيف وحكم الاحتجاج به، ص249-299

(3) الحديث الضعيف وحكم الاحتجاج به، ص300

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تُقْسِطُواْ فِي الْيَتَامَى فَانكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلاَّ تَعُولُواْ﴾[1]

"اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار (مگر یہ اجازت بشرطِ عدل ہے)، پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم (زائد بیویوں میں) عدل نہیں کر سکو گے تو صرف ایک ہی عورت سے (نکاح کرو) یا وہ کنیزیں جو (شرعاً) تمہاری ملکیت میں آئی ہوں، یہ بات اس سے قریب تر ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو"۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: (تَعُولُواْ) اس میں دو معنی کا احتمال پایا جاتا ہے[2]۔

پہلا: (أن لا تكثر عيالكم) اگر تمہارا اعیال زیادہ نہ ہو جائے۔ یہ امام شافعی اور ان کے متبعین کا قول ہے۔

دوسرا: (أن لا تجوروا ولا تميلوا به) کہ تم ظلم وزیادتی کے مرتکب نہ ہو۔ یہ جمہور مفسرین کا قول ہے۔

اسی دوسرے معنیٰ کو ابن قیم (ت: 751ھ) نے دس وجوہات کی بناء پر ترجیح دی ہے، اس میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے:

"أن هذا مرويٌّ عن النبي ﷺ ولو كان من الغرائب فإنه يصلح للترجيح"[3].

"یہ معنی حضور نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے، چاہے وہ غریب الحدیث سے ہے مگر اس کو ترجیح دی جائے گی"۔

یہ روایت جس کی طرف علامہ ابن قیم نے اشارہ کیا ہے، وہ روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے: اس آیت (ذَلِكَ أَدْنَى أَلاَّ تَعُولُواْ)[4] کی بابت فرمایا: (أَنْ لَا تَجُوْرُوْا) کہ ظلم وزیادتی نہ کرو[5]۔

اس ضمن میں امام شافعیؒ (ت: 204ھ) کے بیان کردہ معنیٰ سے متعلق امام نووی (ت: 676ھ) کہتے ہیں: "ابن مسیب کی مرسل روایت ہمارے ہاں حسن کا درجہ رکھتی ہے۔ فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب نے امام شافعی کے بیان کردہ معنیٰ میں دو وجوہات کی بناء پر اختلاف کیا ہے۔:

ا۔ یہ کہ ان کے ہاں حجت ہے برخلاف دیگر مراسیل روایات کے۔

---

(1) النساء، 3/4.

(2) ابن القيم الجوزية، تحفة المودود بأحكام المولود، مكتبة دار البيان، دمشق. ص17-23

(3) تحفة المودود بأحكام المولود (ص17).

(4) النساء، 3/4.

(5) ابن حبان، محمد بن حبان بن أحمد، الصحيح، مؤسسة الرسالة، بيروت. ج9، ص338، الرقم:4029

۲۔ یہ کہ یہ ان کے نزدیک حجت نہیں ہے بلکہ یہ دیگر کی طرح ہے جو کہ ہم نے ذکر کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ امام شافعیؒ نے تو اس معنیٰ کو مرسل روایت سے ترجیح دی ہے، جبکہ مرسل روایت کے ذریعے ترجیح دینا جائز ہے"۔[1]

حدیث ضعیف سے استفادہ کے حوالے سے چند مزید امور بھی پیش نظر رکھے جاسکتے ہیں:

ا۔ حدیث ضعیف کو زیادہ گہرائی سے نہیں لیا جائے گا۔

۲۔ وہ ضعیف حدیث کے معنی یا الفاظ کسی صحیح حدیث میں بھی موجود ہوں۔

۳۔ اس معنیٰ کے مخالف وہ معنیٰ نہ ہو جو اس سے اثبت ہو۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ اس حدیث میں ادراج[2] نہ ہو۔ یعنی حدیث کے متن میں شامل کیا گیا وہ کلام جو رسول اللہ ﷺ کا نہ ہو بلکہ بعض راویان حدیث کا، صحابہ کرام یا تابعین یا پھر تبع تابعین کا کلام ہو جو ان کے اپنے الفاظ ہوں، جو وہ متن حدیث کے ساتھ ہی متصلاً بغیر وقفہ یا قائل کا ذکر کیے بیان کردیں۔ اسے ادراج کہتے ہیں۔ ادراج رسول اللہ ﷺ کے کلام اور لوگوں کے کلام میں التباس کا سبب بنتا ہے۔

امام احمد سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: " امام وکیع (ت: 196ھ) حدیث میں کہا کرتے تھے: یعنی کذا کذا کبھی وہ "یعنی" بولتے، اس طرح انہوں نے حدیث میں تفسیر کا ذکر کر دیا، اسی طرح امام زھری بھی بہت سی احادیث کی تفسیر کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کلماتِ تفسیر بھی ساقط کر دیتے تھے۔ اُن کے بعض ہم عصر اکثر ان سے کہا کرتے تھے کہ آپ اپنے کلام کو حضور نبی اکرم ﷺ کے کلام سے جدا رکھا کریں۔ (یعنی متن کے اندر ہی اپنی تفسیر بیان نہ کیا کریں)"۔[3]

تیسرا مسئلہ: وہ حدیث ان اہم اور مفید کتابوں میں سے ہو جن کی طرف اس بابت رجوع کیا جاتا ہو، ایسی محققہ کتب شروح جن پر ان کے اصحاب نے اخبار و آثار کے نقل کرنے میں انتہا درجے کی توجہ دی ہو جیسے کہ حافظ ابن عبد البر کی کتاب "التمهيد" اور " الاستذکار" امام بدر الدین عینی کی "عمدۃ القاری" حافظ ابن حجر کی "فتح الباری" اور علامہ ابن رجب کی "فتح الباری" وغیرہ، یا وہ دیگر کتب جو انہی کے اسلوب پر مرتب کی گئی ہوں۔

اسی طرح اس بابت حدیث کی ان کتابوں سے بھی مدد لی جاسکتی ہے کہ جن کی ابواب بندی جوامع کی ترتیب سے تصنیف کی گئی ہے، ان میں سب سے زیادہ جامع اور مفید ابن الاثیر کی "جامع الاصول" ہے۔ یہ کتابیں محقق کو تمام تر روایات واحادیث ایک ہی جگہ مہیا کرنے کی سہولت اور آسانی فراہم کرتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(1) نووي، أبو زكريا يحيى بن شرف، المجموع شرح المهذب، دار الفكر، طبعة كاملة معها تكملة السبكي والمطيعي. ج1، ص61

(2)ابن حجر عسقلاني، نزهة النظر في توضيح نخبة الفِكَر، ص111-112

(3) النكت على كتاب ابن الصلاح، 829/2، لابن حجر أسنده عن ابن حبان من طريق الإمام أحمد. ونقله عنه السخاوي في فتح المغيث بشرح ألفية الحديث، 303/1